بسمہ تعالیٰ

نماز تراویح بدعت یا سنت

ترجمہ: سید حمید الحسن زیدی صاحب، سیتاپور

شریعت اسلامی میں واجبات ان چیزوں کو قرار دیا جاتا ہے جن کا انجام دینا ہر اس شخص کے لئے ضروری ہوتا ہے جو اللہ، اس کے رسول اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ تا کہ وہ شایان شان کمال تک پہونچ کر اپنی منزل مقصود حاصل کر سکے اس طرح ان واجبات کی انجام دہی میں کوتاہی کے نتیجہ میں اس کمال تک رسائی خطرہ میں پڑ سکتی ہو اور اس کوتاہی کے نتیجہ میں انسان اپنے مطلوبہ منزل مقصود تک نہیں پہونچ سکتا ہے اور اس کے علاوہ مستحبات کو اس مومن کے لئے قربت الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے جو کمال کے لئے واجبات کا پابند ہے۔

اور ان کی واجب نمازوں کی ادائیگی انسان پر ہر حال میں واجب ہے لیکن اس کا اول وقت میں ادا کیا جانا فضیلت اور کمال شمار ہوتا ہے اور اس معلوم ہوتا ہے کہ ایک مومن اس فریضہ الٰہی کو کتنی اہمیت دیتا ہے جس کا خدا نے اسے شرف بخشا ہے اسی طرح اگر اس نماز کو جماعت سے ادا کیا جائے تو یہ دوسرا استحباب ہے جس سے فضیلت و کمال کا ایک اور مرحلہ سر ہوتا ہے شریعت اسلامی میں عبادتوں کے کچھ امتیازات اور خصوصیات ہیں۔

۱:۔ الگ الگ زمانوں اور الگ الگ حالات کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے جن سے انسان اپنی زندگی میں دوچار ہوتا ہے۔

۲:۔ ان عبادتوں کیلئے انسانی زندگی میں روزانہ الگ الگ اوقات معین ہیں جن میں اسے بالغ ہونے کے ابتدائی سرحد سے آخری مرحلہ تک اسے ان عبادتوں کو بجالانا ہے یہ تسلسل اور ہر لحہ عبادتوں سے جوڑے رکھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام نے انسان کی تربیت کو کتنی اہمیت دی ہے یہ تربیت بغیر تدریجی تمرین اور بغیر مسلسل جدوجہد کے حاصل نہیں ہوسکتی جس کے ساتھ انسان اپنے خالق اور مالک سے رابطہ رکھتا ہے۔

۳:۔ اسی اسلام میں عبادتوں کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ توقیفی یعنی خداوند عالم کی جانب سے اذن واجازت پر موقوف ہو اصل عبادت ہو یا اس کا طریقہ اسکی تمام تفصیلات کے لئے خدواوند عالم کی جانب سے حکم اور ہدایت درکار ہو جس کے بغیر انہیں انجام دینا عبث ہے کسی انسان کو ہر گز یہ حق نہیں ہے کہ وہ جس عمل کو چاہے عبادتوں کے نام پر انجام دینا شروع کردے یا خداوند عالم کی جانب سے معین کی گئی عباتوں میں کچھ کم یا زیادہ کردے اس پر تمام مسلمانوں کا اجتماع ہے کہ کوئی بھی شخص بغیر اذن پروردگار کے عبادتوں میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں کر سکتا۔

اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ ماہ رمضان المبارک میں بعض مسلمانوں کے ذریعہ پڑھی جانے والی نماز پر روشنی ڈالیں جسے

تراویح کہا جاتا ہے کیا یہ نماز تراویح شارع کی طرف سے حکم شریعت کے طور پر قرار دی گئی ہے اور اس کے احکام اور تفصیلات شرعی ہیں یا شریعت اسلامی میں اس کا کوئی قانون نہیں ہے لہٰذا یہ نماز بدعت اور حرام ہے اس لئے کہ اس کا نہ کتاب خدا میں کوئی حکم ہے اور نہ ہی سنت نبوی میں، یہ بالکل بے بنیاد نماز ہے جس کا شریعت اسلامی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

کتاب وسنت میں تراویح کا شرعی ہونا ثابت نہیں ہے۔(نماز تراویح جمہور علماء کے نزدیک ماہ مبارک رمضان کی راتوں میں سنت موکدہ ہے احمد ابن حنبل، ثوری، ابوحنیفہ، شافعی نے اسے بیس رکعت مانا ہے اور مالک نے کہا ہے کہ وہ چھتیس رکعت ہے (المغنی لابن قدامہ ۱:۷۹۷_۷۹۹)

علماء اہلسنت ماہ رمضان المبارک کی راتوں میں تراویح کو مستحب سمجھتے ہیں احمد ابن حنبل، ثوری، ابوحنیفہ، اور شافعی کا کہنا ہے کہ نماز تراویح بیس رکعت ہے، مالک کہتے ہیں کہ اس کی چھتیس رکعتیں ہوتی ہیں۔

جب ہم کتاب خدا کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی ایک بھی آیت ایسی نہیں ہے جس میں نماز تراویح کا حکم ہوا گر قرآن مجید میں کہیں اس کا تذکرہ ہوتا تو مذاہب اربعہ (اہلسنت چار مذاہب) اس کو ضرور بناتے جب کہ ان میں سے کسی نے نماز تراویح کی دلیل قرآن مجید کی کسی ایک آیت کو بھی پیش نہیں کیا ہے اسی طرح جب سیرت پیغمبر اسلامؐ پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس میں بھی نماز تراویح کا نام ونشان نہیں ہے بلکہ سیرت رسول میں راتوں میں قیام کرنے کا حکم ہے لیکن وہ بھی فرادیٰ نہ کہ جماعت کے ساتھ روایات میں تاکید ہے جیسا کہ بعد میں واضح کیا جائے گا کہ نماز تراویح رسول خدا نے نہیں پڑھی اور نہ ہی یہ نماز ابوبکر کے زمانے میں تھی خداوند عالم نے مستحبی نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی اجازت نہیں دی سوائے نماز استسقاء کے بلکہ جماعت صرف واجبی نمازوں کے لئے ہے جیسے نماز پنجگانہ، نماز آیات، نماز جنازہ وغیرہ پیغمبر اسلامؐ ماہ رمضان المبارک کی راتوں میں قیام فرماتے تھے اور رمضان المبارک کی سنتیں بغیر جماعت کے ادا کرتے تھے اور لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دلاتے تھے اور لوگ بھی ماہ رمضان المبارک کی راتوں میں پیغمبر اسلام کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے قیام بجالاتے تھے یہی صورت حال ابوبکر کے دور میں بھی تھی یہاں تک کہ ۱۳/ ہجری (چار راتوں میں ہوتی ہے) میں ان کی وفات ہوگئی اس کے بعد عمر ابن خطاب خلیفہ ہوئے انہوں نے پہلے سال ماہ رمبارک رمضان میں روزہ رکھے اور اس کی راتوں میں قیام کے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

نماز تراویح کب ایجاد ہوئی:

جب ۱۴/ ہجری کا ماہ رمضان آیا اور عمر ابن خطاب مسجد آئے اس وقت ان کے ساتھ بعض ان کے ساتھی بھی تھے انہوں نے دیکھا کہ جو لوگ مستحبات اور نوافل کے لئے قیام بجالا رہے ہیں ان میں سے کوئی کھڑا ہے کوئی بیٹھا ہے کوئی رکوع کی حالت میں ہے کوئی سجدہ بجالا رہا ہے کوئی قرأت کر رہا ہے تو کوئی تسبیح پڑھ رہا ہے کوئی تکبیرۃ الاحرام کی حالت میں ہے تو کوئی سلام پڑھ رہا ہے۔ عمر نے دیکھا ان کو یہ طرز عمل برا لگا انہوں نے سوچا کہ اس کی اصلاح ہونی چاہئے لہٰذا انہوں نے اپنی طرف سے اسی سال نماز تراویح ایجاد کر دی (تراویح وہ نافلہ ہے جو ماہ مبارک رمضان کی راتوں میں جماعت سے ہوتی ہے اس کو تراویح کہتے ہیں جس کی ہر چار رکعت کے بعد آرام ہے) انہوں تمام

لوگوں کواکٹھا کرنے کے لئے حکم نافذ کردیا کہ سب لوگ اس نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کریں اور پھر تمام دیگر شہروں میں حکم نامہ تحریر کر کے روانہ کروادیا مدینہ منورہ میں اس نماز تراویح کے لئے دو امام معین کئے ایک مردوں کے لئے اور ایک عورتوں کے لئے اس سلسلہ میں بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں یہاں پر بخاری اور مسلم کی دو روایتیں ذکر کی جارہی ہیں جنہیں انہوں نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے ۔(صحیح بخاری کے جز ثانی کے صلاۃ تراویح کے باب میں صفحہ ۵۲ پر رجوع کریں اور صحیح مسلم کے باب ترغیب فی قیام رمضان یعنی تراویح باب صلاۃ مسافر وصلاۃ قصر کے صفحہ ۱۷۶ کی جانب رجوع کریں)

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا کہ جو شخص ایمان اور حساب وکتاب کے ساتھ ماہ رمضان المبارک میں مستحبی عباتوں کو بجالانے کے لئے قیام کرے خداوند عالم اس کے تمام گناہ معاف کردیتا ہے جب پیغمبر اسلام کی وفات ہوئی تو ماہ رمضان میں مستحبات کے لئے قیام کا یہی طریقہ تھا یعنی آپ کی اقامت سے پہلے ماہ رمضان المبارک میں قیام کا طریقہ نہیں بدلہ تھا۔

پھر یہی سلسلہ ابوبکر کے دور میں جاری رہا عمر کے دور میں بھی کچھ مدت تک یہی طریقہ رہا بخاری نے اپنی صحیح کتاب التراویح میں عبدالرحمٰن ابن عبدالقاری سے روایت کی ہے (استیعاب:۳۸۱۔۳۸۲) کہ میں ماہ رمضان المبارک کی راتوں میں ایک رات عمر کے ساتھ مسجد میں گیا تو دیکھا کہ لوگ مختلف حالتوں میں ہیں یہاں تک کہ راوی نے بیان کیا کہ میرا خیال ہے کہ اگر سب لوگ ایک قاری پر جمع ہوجائے تو وہ بہتر ہوتا پھر انہوں نے ابن کعب پر سب کو جمع کردیا پھر ایک اور رات میں مسجد گیا لوگ اپنے قاری کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔عمر نے کہا کتنی اچھی بدعت ہے ان کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خود خلیفہ کی اپنی سنت ہے اس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے بہت سے علماء نے اس کا واضح اعلان کیا ہے۔

قسطلانی کا کہنا ہے کہ اسے عمر نے بدعت کا نام دیا اس لئے کی یہ پیغمبر اسلامؐ کی سنت نہیں تھی اور آپ نے جماعت کے ساتھ نہ پڑھی تھی اور نہ پرھنے کا حکم دیا تھا اور نہ ابوبکر کے زمانے میں اسے جماعت کے ساتھ پڑھنے کا رواج ہوا تھا نہ ابتداء شب میں اور نہ انتہا میں اور نہ اس کے لئے کوئی معین عدد کا تذکرہ تھا۔

یہاں تک کہ انہوں نے کہا رمضان المبارک کی راتوں میں قیام بدعت نہیں ہے اس لئے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا ان لوگوں کا اتباع کرو جو میرے بعد ہوں گے یعنی ابوبکر و، عمر جب اصحاب عمر کے ساتھ اس عمل کے انجام دہی پر متفق ہوگئے تو پھر اس سے بدعت کا نام وعنوان ختم ہوگیا عینی کا بیان ہے اسے بدعت اس لئے کہا گیا کہ رسول اسلام کی سنت نہیں تھی نہ ہی ابوبکر کے زمانے میں علامہ قسطلانی جب عمر کے اس قول تک پہونچے تو انہوں نے کہا کہ یہ عمر نے اسے بدعت اس لئے قرار دیا کہ پیغمبر اسلام نے اسے جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت قرار نہیں دیا تھا اور نہ ہی ابوبکر کے زمانے میں اسے جماعت سے پڑھا جاتا تھا نہ اول شب میں نہ آخری شب میں اور نہ اس کے لئے کوئی عدد معین تھا (ارشادالباری فی شرح صحیح بخاری القسطلانی ۴:۶۵۶ کتاب تراویح باب فضل من قیام رمضان) بخاری کی شرح فتح الباری میں بھی اسی طرح کی عبارت ہے اس کی طرف رجوع کریں۔(فتح الباری ۴:۲۱۹)

علامہ ابوالولید محمد ابن شحنۃ ۸۲۳ھ میں عمر کی وفات کے بعد واقعات لکھتے ہوئے اپنی تاریخ ''روضۃ المناظر'' میں کہا ہے کہ وہ پہلے

شخص تھے جنہوں نے ام الولد بیچنے سے منع کیا اور نماز جنازہ میں لوگوں کو چار تکبیروں پر جمع کیا اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے نماز رتراویح میں لوگوں کو ایک جماعت میں جمع کیا جب سیوطی نے اپنی کتاب ''تاریخ الخلفاء'' میں عمر کے ذریعہ سب سے پہلے انجام پانے والے کاموں کی فہرست مرتب کی تو اس میں عسکری سے نقل کرتے ہوئے کہا (کشف الظنون ۱:۱۹۹) وہ پہلا شخص ہے جسے امیر المومنین کہا گیا وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے نماز تراویح کی سنت قائم کی، وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے متعہ کو حرام قرار دیا، وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے نماز جنازہ کی چار تکبیروں پر متفق کیا۔

محمد ابن سعد نے عمر کی سوانح عمری بیان کرتے ہوئے طبقات کے تیسرے جز میں میں کہا ہے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ماہ رمضان میں تراویح کے ذریعہ قیام کا سلسلہ شروع کیا اور لوگوں کو اس پر جمع کیا اور اسے دوسرے شہروں میں لکھ کر بھیجا یہ سب ماہ رمضان ۱۴ھ میں ہوا انہوں نے مدینہ میں ایک قاری معین کیا جو مردوں کو نماز پڑھاتا تھا اور ایک قاری عورتوں کو نماز تراویح پڑھاتا تھا۔

ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں عمر کے حالات زندگی کے ضمن میں کہا ہے یہ وہی شخص ہیں جنہوں نے ماہ رمضان المبارک کی راتوں کو دو دو رکعت کی نمازوں کے نور سے منور کیا۔ (الاستیعاب ۳:۲۳۶)

سید عبدالحسین شرف الدین نے نماز تراویح کو جائز سمجھنے والوں کی عبارت پر حاشیہ لگاتے ہوئے کہا ہے خدا ان کو اور ہمیں معاف کرے نماز تراویح کی حکمت سمجھنے کے معاملہ میں خدا و رسول سے بھی آگے بڑھ گئے اس لئے کہ معاذ اللہ اس کی حکمت سے خدا و رسول غافل تھے بلکہ وہ خدا کے دین و شریعت کی حکمتوں کو سمجھنے سے عفت کے زیادہ حقدار تھے ہمارے لئے ماہ رمضان یا غیر رمضان میں نماز تراویح کے سنت نہ ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ ان نمازوں کو ادا کرنے والا رات کی تاریکی میں تنہا اپنے گھر میں اسے ادا کرے جس میں اس کی بارگاہ میں اپنے مصائب و مشکلات، رنج و غم، گلہ کر سکے اور اس کی بارگاہ میں اپنی حاجتوں کے لئے دعا کر سکے اس سے پناہ مانگے، اس سے امیدیں لگائیں اس سے خوف زدہ رہے، اس کی بارگاہ میں رضا و عفت کا اظہار کرے اس سے توبہ کرے اس کی پناہ میں رہے اور اس کے علاوہ کسی اور کو اپنی پناہ گاہ نہ سمجھے اور اس کے علاوہ کسی کو اپنی نجات کا ذریعہ نہ قرار دے اسی لئے اس نے سنتوں کو جماعت سے الگ رکھا تا کہ ان کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں زیادہ سے زیادہ انسیت ہو سکے اور اس کی بارگاہ میں زیادہ سے زیادہ دلوں کا رجحان بڑھے اور انسان کے اعضاء و جوارح میں اس عمل کا جذبہ زندہ رکھے ان میں سے ہر شخص جب چاہے اس سنت کو ادا کرے اور جو جتنا زیادہ انجام دینا چاہے انجام دے عبداللہ ابن مسعود نے رسول اسلام سے دریافت کیا نماز اپنے گھر میں پڑھنا بہتر ہے یا مسجد میں پیغمبر اسلام نے فرمایا کیا تم نہیں دیکھتے کہ میرا گھر مسجد سے کتنا دور ہے لیکن میں اپنے گھر میں نماز پڑھنے کو مسجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ پسند کرتا ہوں سوائے واجبی نمازوں کے۔

احمد اور ابن ماجہ، ابن خزیمہ نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ جیسا کی زکی الدین، عبدالعظیم ابن عبدالقوی المنذری (النص والاجتھاد للسید شرف الدین: ۲۱۴، المورد ۲۶ صلاۃ تراویح) نے کتاب ''الترغیب والترہیب'' کے صلاۃ نافلہ کے باب میں ذکر کیا ہے۔

زید ابن ثابت سے روایت ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا:'' صلوا ایها الناس فی بیوتکم فان افضل الصلاۃ المرء فی بیته

الا لصلاة المکتوبہ ''اے لوگوں اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھو انسان کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا بہتر ہے سوائے واجبی نمازوں کے ۔

نسائی اور ابن خزیمہ نے اپنی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ انس ابن مالک سے روایت ہے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا: ''اکرموا بیوتکم ببعض صلاتکم '' (الترغیب والترھیب ۱:۲۷۹) اپنے گھروں کی نمازوں کے ذریعہ عزت بڑھاؤ جابر سے روایت ہے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ ''اذا قضی احکم الصلاۃ فی مسجدہ فلیجعل لبیتہ نصیبا من صلاتہ ، فان اللہ جاعل فی بیتہ من صلاتہ خیراً'' ''تم میں سے کوئی شخص مسجد میں کوئی نماز ادا کرے تو اپنے گھر میں بھی نمازوں کا کچھ حصہ رکھے خداوند عالم نے اس کے گھر میں بھی نما کے لئے بھلائی اور نیکی رکھی ہے۔ (الترغیب والترھیب ۱:۲۸۰)

مسلم وغیرہ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ابوسعید کی سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے اور اس معنی میں سنت کو اس طرح کے املا میں نہیں سمایا جا سکتا۔

لیکن خلیفہ ایک منظّم اور فوجی انسان تھے انہوں نے دیکھا کہ نماز جماعت شعائر کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے اجتماعی فائدوں کو شمار نہیں کیا جا سکتا جن کے بارے میں ہمارے علماء اعلام نے بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے اور انہوں نے انتہائی حکیمانہ انداز میں ان تمام باتوں کا تدارک کیا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ شریعت اسلامی نے اس جحت کو نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ واجب نمازوں کو اس سے مخصوص قرار دیا ہے اور مستحبی نمازوں کو انسان کی دیگر مصلحتوں پر چھوڑ دیا ہے ''ما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم '' (مسن الشامیین ۲:۱۱۵؛ ح ۱۰۲۱؛ منتخب مسن عبدبن حمید: ۳۰۰ ح ۹۶۹) کسی مومن یا مومنہ کو یہ حق نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسول ان کے لئے کسی چیز کا فیصلہ کرے تو اس میں نظر اندازی اور چوں چرا نہ کرے۔

نماز تراویح کے بارے میں شیعوں کا نظریہ:

اثناعشری شیعہ آیہ ''ما انزل اللہ بہ من سلطان '' کی روشنی میں پیغمبر اسلامؐ اور اہلبیتؑ کے اتباع میں ماہ مبارک رمضان کی نمازیں بغیر جماعت کے ادا کرتے ہیں اور ان کی نظر میں ان نمازوں کا جماعت سے پڑھنا بدعت ہے اور غیر شرعی ہے جس کا سلسلہ رسول اسلامؐ کے بعد شروع ہوا ہے۔

شیخ طوسی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ ماہ رمضان کی مستحبی نمازیں فرادیٰ پڑھی جاتی ہیں اور ان کا جماعت کے ساتھ پڑھنا بدعت ہے۔

اس سلسلہ میں شیعہ عقیدہ پر ان کی دلیل یہ ہے کہ شیعوں کا اس نماز کے بدعت ہونے پر اجماع ہے زید ابن ثابت (الاحزاب: ۳۶) نے پیغمبر اسلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''صلاۃ المرء فی بیتہ افضل من صلاتہ فی المسجد الالمکتوبۃ '' (سنن ابی داؤد ۲:۶۹) انسان کا گھر میں نماز پرھنا بہتر ہے سوائے واجبی نمازوں شیخ محمد حسن نجفی نے اپنی کتاب ''جواہر الکلام'' میں دعویٰ کیا ہے کہ نماز تراویح کے بدعت ہونے پر روایت تواتر کے ساتھ ثابت ہیں (الخلاف ۱:۵۲۹؛ کتاب صلاۃ المسئلہ ۲۶۸)

سید محسن الحکیم نے اپنی کتاب ''متمسک''میں اس سلسلہ میں ''منتھی''،''ذکر''،''کنز العرفان'' سے اجماع نقل کیا ہے۔(جواھر الکلام ۱۳:۱۴۴)

نماز تراویح اہل بیت کی دلیلوں میں:

اہلبیتؑ اس سلسلہ میں اس گفتگو پر متفق ہیں کہ ماہ رمضان کی راتوں میں مستحبی نماز کا جماعت کے ساتھ پڑھنا بدعت ہے چاہے وہ نماز تراویح ہو یا کوئی اور نماز اس سلسلہ میں روایات کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم وہ ہے کہ جو نماز تراویح میں جماعت کے شرعی نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

اور دوسری قسم میں خود نماز تراویح کے بدعت ہونے کا تذکرہ ہے۔

پہلی قسم میں نوافل ماہ رمضان میں جماعت کے ساتھ بدعت ہونے کی بات ہے۔ان کے بارے میں دو روایتوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

(۱)امام باقر علیہ اسلام نے فرمایا: مستحبی نماز کو جماعت سے نہیں پڑھنا چاہئے اس لئے کہ یہ بدعت وگمراہی ہے اور گمراہی کی جگہ جہنم ہے۔(متمسک عروۃ الوثقی ۷:۱۷)

(۲)امام علی ابن موسی الرضاؑ نے مامون کے نام اپنے خط میں تحریر فرمایا:''ولا یجوز ان یصلی تطوع فی جماعۃ''مستحبی نمازوں کو جماعت سے نہ پڑھا جائے اسلئے کہ یہ عمل بدعت ہے۔(الخصال ۲:۱۵۲)

دوسری قسم میں امام جعفر صادق علیہ اسلام کا ارشاد ہے کہ: جب امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کوفہ تشریف لائے تو امام حسن علیہ السلام کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کروا دیں کہ ماہ رمضان کی راتوں کو مسجد میں نماز جماعت نہیں گی اپنے بابا امام علیؑ کے حکم کے مطابق اعلان کروا دیا جب لوگوں نے امام حسن علیہ السلام کی گفتگو کی تو''واعمر ،واعمر'' کا نعرہ بلند کرنے لگے جب امام حسن حضرت علیؑ کے پاس واپس آئے تو امام نے پوچھا کہ یہ کیسی آوازیں ہیں امام حسنؑ نے بتایا لوگ''واعمر ،اعمر'' کے نعرہ لگا رہے ہیں(عیون اخبار الرضا ۱:۱۳۱)امیر المومنین نے امام حسنؑ سے فرمایا ان سے کہو کہ نماز پڑھو جب امام نے ان کو اس حالت پر چھور دیا تو وہ لوگ اس بدعت پر عمل کرتے رہے جب امام کی گفتگو کی طرف رجوع کیا جائے تو ان کو ان کی حالت پر چھوڑنے کی وجہ معلوم ہو جائے گی۔

شیخ طوسیؒ کا بیان ہے کہ جب امیر المومنینؑ نے جب ان کو منع کیا تو وہ نماز جماعت سے منع کیا نہ کی اصل نماز سے جب آپ نے دیکھا کہ لوگ اس جماعت سے فتنہ وفساد پیدا ہو جائے گا تو ان کی عادت کے مطابق ان کو نماز پڑھنے کی اجازت دیدی۔(تھذیب الاحکام ۳:ح ۷۰)

اس بات پر مسلم ابن قیس کی روایت دلالت کرتی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے خطبہ دیا جس میں خداوند عالم کی حمد و ثناء کی اس کے بعد پیغمبر اسلام پر درود وسلام بھیجا پھر ارشاد فرمایا میں تمہارے بارے میں دو باتوں کے سلسلہ میں سب سے زیادہ ڈرتا ہوں خواہشات کا اتباع اور لمبی لمبی آرزوئیں اس لئے آپ نے رسول اسلام کے بعد نئے کاموں کے پیدا ہونے کا تذکرہ کیا اور فرمایا کہ

اگر لوگوں کو انہیں ترک کرنے کو کہا جائے تو ہمارا سارا لشکر یہی چھوڑ کر چلا جائے اور میں تنہا رہ جاؤں گا یا میرے چند شیعہ رہ جائیں گے خدا کی قسم میں نے حکم دیا تھا کہ لوگ رمضان المبارک کی راتوں میں مستحبی نمازوں کو جماعت سے نہ پڑھیں صرف واجبی نمازیں جماعت سے ادا کریں اور ان کو اس بات سے آگاہ کیا تھا کہ مستحبی نمازوں کا جماعت سے پڑھنا بدعت ہے یہ سن کر بعض لشکر والوں نے آوازیں بلند کر دیا کہ اے اسلام والوں عمر کی سنت بدل گئی ہے اب ہمیں رمضان میں مستحبی نمازوں کو جماعت سے روکا جا رہا ہے جب یہ خوف ہوا کی کہیں لشکر میں دورخی نہ ہو جائے۔(المصدر السابق)

یہ دیکھ کر امام لوگوں کے جذبات کے حق میں خلافت کی رائج کی ہوئی سنت کے سلسلہ میں خاموش ہو گئے اور آپ کو اس بدعت ہونے کے بارے میں برداشت کرنا پڑا جو رسول اسلامؐ کے بعد رائج ہوئی تھی آپ نے چاہا کہ اسلامی معاشرہ کو زمانۂ رسولؐ کی طرف پلٹا کر سنت رسول کے مطابق عمل کروائیں لیکن رکاوٹیں پیدا کر دی گئیں لہٰذا بعض کاموں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا تا کہ اہم فالاھم کی رعایت کی جا سکے اس لئے اپنے فرزند امام حسنؑ کو حکم دیا کہ انہیں ان کے حال پر چھوردیں تا کہ نظام میں کسی طرح کا خلل پیدا نہ ہو اور لشکر میں ان کے خلاف بغاوت نہ پیدا ہو ابوالقاسم ابن قولویہ متوفی ۳۶۹ھ میں امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ان دونوں بزرگواروں نے فرمایا: حضرت امیر المومنینؑ کوفہ میں تھے جب آپ کے پاس لوگ آئے اور آپ سے عرض کیا کہ ہمارے لئے ایک امام معین فرمادیں جو رمضان میں ہماری امامت کر سکیں آپ نے جواب دیا نہیں اور انہیں جماعت سے منع کیا جب ان لوگوں نے محسوس کیا تو کہنے لگے اب رمضان پر گریہ کرو وارمضاناہ اس وقت لوگوں کے درمیان حارث اعور ظاہر ہوئے اور عرض کی اے امیر المومنینؑ لوگ رو رہے ہیں اور چلا رہے ہیں انہیں آپ کی بات پسند نہیں آئی امام نے فرمایا: ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور وہ جسے چاہیں امام بنا کر اس کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔(الکافی ۸:۵۸۔۶۳)

ان روایات سے نماز تراویح کے بارے میں اہلبیتؑ کا موقف واضح ہو جاتا ہے۔

سنت رسولؐ روایت اہل بیت کی روشنی میں:

ائمۂ اہلبیتؑ کی روایات علماء سنّن کی بعض روایتوں سے قدرے مختلف ہیں ان کی روایات اس سلسلہ میں صریحی طور پر اعلان کرتی ہیں کہ پیغمبر اسلام نے ماہ رمضان کی راتوں میں نوافل کو جماعت سے پڑھنے کو منع کیا اور آپ اگر کبھی مسجد گئے تو آپ نے فرادیٰ نمازیں پڑھیں ہیں لوگوں نے آپ کی اقتدا کرنا چاہی تو آپ نے اسے منع کر دیا پھر آپ نے مسجد میں نماز پڑھنا ترک کر دیا اور گھر میں نماز پڑھنے پر اکتفاء کیا یہاں پر اس سلسلہ کی بعض روایت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

زرارہ، محمد بن مسلم اور فضیل نے امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے سوال کیا کہ ماہ رمضان کی راتوں میں نوافل کو جماعت سے ادا کیا جا سکتا ہے ان دونوں بزرگواروں نے فرمایا: نہیں پیغمبر اسلام جب نماز عشاء پڑھ لیتے تھے تو اپنے گھر آجاتے تھے پھر رات کے آخری حصہ میں دوبارہ مسجد جاتے تھے اور وہاں قیام اور نمازیں بجالاتے تھے ایک مرتبہ آپ ماہ رمضان میں رات کی ابتدا میں مسجد تشریف لے گئے جس طرح آپ روز نماز پڑھتے تھے لوگوں نے آپ کے پیچھے صف بنائی آپ فوراً لوگوں کو اس حال پر چھوڑ کر گھر چلے

گئےاس طرح تین راتوں میں بار ہاایسا ہواچوتھی رات آپ منبر پرتشریف لے گئے خدا کی حمد وثناءفرمائی اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ماہ رمضان کی راتوں میں نافلہ نماز جماعت سے پڑھنا بدعت ہے چاشت کے وقت کی نماز بدعت ہے خبردار ماہ رمضان کی راتوں میں جماعت سے نماز نہ پڑھنااوراس طرح نماز چاشت بھی نہ پڑھناان نمازوں کا پڑھنا گناہ ہے آگاہ رہنا کہ ہر بدعت گمراہی ہےاور ہر گمراہی کا راستہ جہنم کی طرف ہے پھر آپ منبر سے نیچے اترے اس وقت آپ کہہ رہے تھے تھوڑی سی سنت بہت سی بدعت سے بہتر ہے ۔(من لایحضر لافقیہ کتاب صوم:۸۷)

عبیدابن زرارہ نے امام جعفرصادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ ماہ رمضان میں اپنی نمازوں میں اضافہ کر لیتے تھے جب آپ عشاء کی نماز پڑھتے تھے اس کے بعد بھی نمازیں پڑھتے تھے لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوجاتے تھے آپ انہیں چھوڑ کر گھر چلے جاتے تھے (الکافی ۴:۱۵۴) ایسا کئی بار ہوا شاید آپ نے ایسا دومرتبہ کی ایک بار رات کے آخر میں جیسا کہ روایت میں ہے اور ایک مرتبہ عشاء کی نماز کے بعد جیسا کہ دوسری روایت میں ہے نماز تراویح کے سلسلے میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا موقف ۔

اہل سنت کی رویات میں اس کے برخلاف نقل ہوا یہاں پر مسلم اور بخاری دونوں کی روایتوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے بخاری نے نقل کیا ہے کہ مجھ سے یحیٰ ابن بکیر نے نقل کیا ان سے لیث نے بیان کیا ان سے عقیل نے نقل کیا ان سے ابن شہاب نے بیان کیا کہ مجھے عروہ نے بتایا ہے کہ مجھے عائشہ نے بیان کیا کہ پیغمبر اسلام ایک آدھی رات گھر سے نکلے اور مسجد میں نماز پڑھی لوگوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی لوگ باتیں کرنے لگے ان میں سے اکثر جمع ہوگئے پیغمبر اسلام نے نماز پڑھی لوگوں نے بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھی لوگوں میں جب یہ بات پہنچی تو تیسری رات مسجد میں نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا جب چوتھی شب آگئی اور مسجد نمازیوں کے لئے ناکافی ہوگئی یہاں تک کہ پیغمبر اسلام صبح کی نماز کے بعد ان سے مخاطب ہوکے فرمایا میرے نزدیک تمہاری منزلت مخفی نہیں ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ نماز تمہارے اوپر فرض نہ ہوجائے اور پھر تم اسے نہ پڑھ سکو پیغمبر اسلام کی وفات تک یہی کیفیت برقرار رہی ۔(یعنی نماز تراویح میں جماعت کے ترک کرنے پر صحیح بخاری ملاحظہ ہو، باب فضل من قیام رمضان:۶۱ رقم ۲۰۱۲)

تہجد کے باب میں پیغبر اسلام سے روایت ہے کہ پیغمبر اسلام نے ایک دن مسجد میں نماز پڑھی کچھ لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی اس کے بعد پھر دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا پھر تیسری رات اور پھر چوتھی رات بھی ایسا ہی ہوا پھر رسول اللہ نے مسجد آنا چھوڑ دیا جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: میں نے دیکھا جو تم لوگوں نے کیا مجھے مسجد آنے سے کسی چیز نے نہیں روکا سوائے اس کے کہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں یہ نماز رمضان میں تمہارے اوپر فرض ہے ۔(صحیح بخاری ۲:۶۳) ۔

مسلم نے روایت کی ہے کہ مجھ سے یحیٰ ابن یحیٰ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے مالک کے سامنے پڑھا ہے کہ ابن شہاب نے ان سے عروہ نے ان سے عائشہ نے بیان کیا ہے کہ نبی خدا نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی پھر دوسری رات بھی ایسا ہی ہوا لوگوں کی تعداد بڑھ گئی پھر تیسری اور چوتھی شب بھی یہی واقعہ دہرایا گیا ۔(الصحیح ۶:۴۱) اس کے بعد رسول اسلام نے مسجد آنا چھوڑ دیا جب صبح ہوئی تو رسول اسلام نے فرمایا میں نے دیکھا جو تم لوگوں نے کیا ہے میں مسجد

اس لئے آیا ہوں کہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں یہ نماز تمہارے اوپر فرض ہو جائے راوی نے بیان کیا کہ یہ واقعہ رمضان کا ہے۔

مجھے حرملہ ابن یحیٰی نے بیان کیا کہ مجھے عبداللہ ابن وھب نے خبر دی کہ مجھے یونس ابن یزید نے بیان کیا کہ ابن شہاب سے مروی ہے کہ مجھے عروہ ابن زبیر نے خبر دی ہے کہ ان سے عائشہ نے بیان کیا ہے کہ ایک رات پیغمبر اسلام رات کے وقت مسجد گئے آپ نے مسجد میں نماز پڑھی کچھ لوگوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی لوگ اس کے بارے میں باتیں کرنے لگے پھر ان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا پیغمبر اسلام پھر دوسری رات باہر نکلے ان کے ساتھ نماز پڑھی لوگوں میں اس کا چرچہ بڑھا تیسری شب مسجد میں اور زیادہ لوگ اکٹھا ہو گئے پیغمبر اسلام نے پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی جب تیسری رات ہوئی تو مسجد کی چھوٹی پڑ گئی یہاں تک کہ پیغمبر اسلام فجر کی نماز کے لئے نکلے آپ نے فجر کی نماز ادا کی اس کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ جب تمہارے لئے آج کی رات کی طرح کبھی خوف زدہ نہیں ہو سکا مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ نماز تمہارے اوپر فرض نہ ہو جائے اور پھر تم اس فریضہ کو ادا نہ کر سکو۔ (صحیح مسلم ۶:۴۱)۔ ہمارے علماء کے ذریعہ حضرت علیؑ سے مروی روایت اور شیخین نے بخاری و مسلم میں نقل ہونے والی روایت کے درمیان فرق واضح ہے پہلی روایت کی بنا پر پیغمبر اسلام نے نوافل رمضان جماعت سے پڑھنے کو منع کیا ہے اور اسے بدعت قرار دیا ہے اور دوسری روایت کے مطابق نبیؐ نے جماعت کو اس خوف سے ترک کیا ہے کہ کہیں وہ فرض نہ ہو جائے جب کی وہ دین و شریعت کے مطابق تھی لہٰذا اب کسی قول کی پیروی کی جائے۔

شیخین: بخاری و مسلم کی روایت پر اشکال:

شیخین کی حدیث پر بہت سے اعتراضات اور اشکالات ہو سکتے ہیں جن سے واقف ہونا ضروری ہے۔

پہلا اعتراض:

پیغمبر اسلام کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں یہ نماز تمہارے اوپر فرض نہ ہو جائے اور تم اسے ادا نہ کر سکو یہاں پر سوال اٹھتا ہے کہ کیا کسی کام کے شرعی ہونے کی بنا پر لوگوں کا اس کی طرف توجہ کرنا اور اسے روگردانی کرنا ہے اگر لوگوں کی طرف سے اسے اہمیت دی جاتی تو فرض ہو جاتی ورنہ فرض نہ ہوتی جیسا کہ کسی کام کے فرض ہونے کا معیار اس کام میں پائے جانے والی حقیقی اور واقعی مصلحتیں ہوتی ہیں چاہے انہیں اہمیت دی جاتی ہو یا نہ دی جاتی ہو خداوند عالم کی جانب سے کسی عمل کو شرعی قرار دینا اس کی طرف لوگوں کے رجحان و عدم رجحان پر موقوف نہیں ہے بلکہ احکام کسی شریعت کچھ مصلحتوں یا مفسدوں بنا پر ہوتی ہے جن سے خدا بہتر طور پر واقف ہوتا ہے چاہے اس کی طرف لوگ متوجہ کریں یا نہ کریں۔

دوسری مشکل یا اعتراض:۔ اگر ہم یہ فرض کر لیں کی صحابہ نے نماز تراویح کو جماعت سے پڑھنے کو اہمیت دی تو کیا ان کا اہمیت دینا فرض ہونے کا سبب بن سکتا ہے اس زمانے میں مسجد نبوی چھوٹی تھی اور اس میں زیادہ لوگ نہیں آ سکتے تھے یعنی اس میں صرف چھ ہزار لوگ یا اس سے کچھ کم لوگ آ سکتے تھے ''الفقہ علی المذاہب الخمسہ'' میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام کی مسجد ۳۰% ۳۵ رمیٹر کی تھی پھر پیغمبر اسلام نے اس میں اضافہ کیا اور ۵۷% ۵۰ رمیٹر ہو گئی۔ (الفقہ علی المذاہب الخمسہ: ۲۸۵)۔

کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے جیسی اہمیت قیامت تک آنے والے تمام دیگر مسلمان بھی رہتے ہیں۔

تیسری مشکل یا اعتراض:۔جن راتوں میں پیغمبر اسلام کے ذریعہ مسجد میں جا کر لوگوں کے ساتھ ان کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کا تذکرہ ہے ان راتوں کی تعداد میں بھی اختلاف ہے بخاری نے جو''کتاب الصوم''میں نقل کیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے نماز تراویح لوگوں کے ساتھ چار دن پڑھی اور ماہ رمضان میں قیام کی ترغیب دلانے والی روایت ہیں کہ آپ نے دو دن نماز پڑھی اور مسلم نے بھی دوسرے نقل کی تائید کی ہے اوران دونوں کے علاوہ دوسرے محدثین کے اقوال سے نقل ہوتا ہے کہ آپ نے یہ نماز الگ الگ شعبوں جیسے تیسری ،پانچویں،ساتویں،یا بیسویں شب میں پڑھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں رسولؐ کے عمل کو نقل کرنے کی اہمیت نہیں تھی پھر کس طرح ان کے اس نقل پر بھروسہ کیا جائے کہ نبیؐ نے ان کے عمل کو اہمیت دی ہے۔

چوتھی مشکل یا اعتراض:پیغمبر اسلام کے عمل سے یہ ثابت ہوا کی آپ نے دو رات نماز پڑھی یا چار رات آخری شب میں نماز ادا کی وہ آٹھ رکعت سے زیادہ نہیں تھی اور نبی اکرم کی تاسی اور پیروی کا تقاضہ ہے کہ رسول اسلام کی پیروی اس مکمل عمل میں جو رسول اسلام سے ثابت ہوئی نہ کہ ان امور میں جو رسول سے ثابت نہ ہو بلکہ جس کا عدم ثابت ہو جیسا کہ قسطلانی نے بیان کیا ہے اور جسے انہوں نے بدعت شمار کیا ہے۔

ا:۔قسطلانی کا کہنا ہے کہ نبی اکرمؐ نے نوافل رمضان میں جماعت کو سنت قرار نہیں دیا۔

۲:۔اور نہ ہی یہ ابوبکر کے زمانے میں تھی۔

۳:۔نہ ابتداءشب میں آپ کے نماز ادا ہونے کی بات ہے۔

۴:۔اور نہ ہی ہر رات میں۔

۵:۔اور نہ اس لئے کہ کوئی عدد معین ہے۔(ارشاد الساری۴:۶۵۶؛کتاب صلاۃ؛باب فضل من قیام رمضان)

پھر انہوں نے اس نماز تراویح کو شرعی حیثیت ثابت کرنے کے لئے خلیفہ کے اجتہاد کو بنیاد بنایا ہے عینی کا بیان ہے کہ رسول خدا نے لوگوں کے لئے اس نماز کو سنت نہیں قرار دیا اور نہ نماز تراویح ابوبکر کے زمانے مین رائج تھی پھر عینی نے اس کے شرعی ثبوت کے لئے عمر کے اجتہاد کی طرف اس کی نسبت دی جس میں انہوں نے اپنے استنباط میں دو شعبوں میں پیغمبر اسلام کے ذریعہ اس نماز کے ادا کئے جانے کو بنیاد بنایا ہے۔(عمدۃ القاری۶:۱۲۶؛کتاب التراویح؛ذیل الحدیث ۱۱۶)

پانچویں مشکل یا اعتراض:۔

جب ہم نے ثقلین میں ایک یعنی اہلبیتؑ کی روایت پر عمل کریں تو نماز تراویح مطلقاً بدعت ہوتی ہے اور اگر شیخین کی روایت پر عمل کریں تو جو قسطلانی کے بیان کے مطابق ثابت ہے اسی پر عمل ہوگا اس سے زیادہ بدعت ہوگا اا س کا مطلب ہوگا کہ اصل مطلب شرع ہے اس کا طریقہ غیر شرعی ہے لہٰذا کوئی ایسی دلیل بنی رہ گئی جسے نماز تراویح کے شرعی ہونے کی بنیاد بنایا جائے سوائے خلیفہ کے ذریعہ ایک امام پر جمع کرنے کے جس کی وضاحت ہم آئندہ منتخب کریں گے۔

عمر کے دور میں ایک امام پر جمع کی جانا:

بخاری نے روایت کی ہے کہ جب پیغمبر اسلام کی وفات ہوئی تو لوگ اسی حالت میں تھے سب نوافل رمضان جماعت سے نہیں پڑھی جاتی تھی پھر یہی سلسلہ ابوبکر کے بھی دور میں جاری رہا پھر عمر کے دور حکومت میں عمل کچھ عرصہ ہی روزش برقرار رہا۔(الصحیح باب فضل من قیام رمضان؛الحدیث۲۰۱۰)۔

عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے روایت ہے ان کا بیان ہے کہ میں ایک رات عمر ابن خطاب کے ساتھ مسجد گیا وہاں دیکھا کی لوگ الگ الگ حالتوں میں ہیں کوئی فرادیٰ نماز پڑھ رہا ہے،کوئی کچھ لوگوں کی امامت کر رہا ہے۔(الرھط بین الثلاثۃ الی العشرہ)

عمر نے کہا میرا خیال ہے کہ اگر لوگ نماز پڑھنے میں کسی ایک امام پر متحد ہو جائیں تو بہت اچھا ہوتا اس اظہار خیال کے بعد ان سب کو ابی ابن کعب کی امامت پر سب کو جمع کر دیا اس کے بعد ایک اور مرتبہ ہم لوگ مسجد گئے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں.عمر نے کہا یہ اچھی بدعت ہے جو لوگ سو رہے ہیں وہ لوگ اگر اٹھ کر نماز پڑھتے تو بہتر ہوتا اس کا مطلب ہے کہ یہ آخری شب کا واقعہ ہے اس لئے کہ لوگ اول شب میں قیام کرتے تھے لیکن بظاہر کہ صحیح کی شرح لکھنے والوں نوافل رمضان میں جماعت کو شرع نہیں مانا ہے یہاں پر ہم اس کی وضاحت دو باتوں کے ضمن میں بیان کریں گے۔

ا:۔جب رسول اسلام کی فقات ہوئی تو لوگ اسی حالت پہ تھے یعنی نماز تراویح جماعت سے نہیں پڑھتے تھے پھر ابوبکر کی خلافت میں بھی یہی سلسلہ جاری رہا مشارخین نے اس کی تفسیر اس طرح بیان کی ہے یعنی تراویح کی نماز جماعت سے پڑھنا شرعی نہیں تھا اور رسول خدا نے لوگوں کو قیام کے بارے میں جماعت کا حکم نہیں دیا تھا۔(فتح الباری لابن حجر عسقلانی ۴:۲۰۳)

بدرالدین عینی نے کہا ہے کہ لوگ اسی حالت میں تھے یعنی جماعت سے نہیں پڑھ رہے تھے اس کے بعد راوی کا بیان ہے کہ اگر آپ کہیں کہ ابن وھب نے ابو ہریرہ سے روایت کی کہ پیغمبر اسلام پھر مسجد تشریف لائے لوگ اس وقت مسجد کے گوشہ میں نماز پڑھ رہے تھے آپ نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے لوگوں نے بیان کیا کہ لوگ ابی ابن کعب کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں آپ نے کہا صحیح ہے یہ لوگ صحیح کر رہے ہیں اسے ابن عبدالرحمٰن نے ذکر کیا پھر اس طرح جواب دیا کہ اس رات کے راویوں میں مسلم ابن خالد ہے جو ضعیف ہے جب کہ ذکر ہوا ہے کہ عمر نے لوگوں کو ابی ابن کعب پر جمع کیا تھا۔(عمدۃ القاری فی شرح صحیح بخاری:۱۲۵)

قسطلانی کا بیان ہے کہ یہ سلسلہ اس طرح جاری تھا یعنی لوگ تراویح جماعت سے نہیں پڑھا کرتے تھے پھر اسی طرح ابوبکر کے دور خلافت میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا عمر نے کہا یہ اچھی بدعت ہے اس کا رواج تھا اور نہ ہی رسول اسلام نے اس کی ترغیب دلائی تھی ۔(رشاد الساری ۴:۶۵۶ کتاب صلاۃ تراویح؛باب فضل من قیام رمضان)

علماء اہلسنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے اسے عمر نے شروع کیا اس سلسلہ مین گذشتہ اقوال کے ساتھ مندرجہ ذیل علماء کے اقوال نقل کئے جارہے ہیں:

ا:۔ابن سعد نے عمر کی سوانح حیات کے ضمن میں کہا ہے یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ماہ رمضان کی راتوں میں تراویح کا سلسلہ شروع کیا اور لوگوں کو اس پر جمع کیا اور اس سلسلہ میں دوسرے شہروں میں حکم نامہ تحریر کر کے روانہ کیا ان کی طرف سے یہ اقدام

رمضان المبارک ۱۴ھ میں ہوا۔ (عمدۃ القاری ۶:۱۲۶)

۲:۔ابن عبدالبر نے عمر کی سوانح حیات کے ضمن میں تذکرہ کیا ہے یہی وہ شخصیت ہے جس نے روزوں کے مہینہ کو دو رکعت نمازوں کے نور سے منور کیا۔ (الطبقات الکبریٰ ۳:۲۸۱)

ولید ابن شحنہ نے ۲۳ھ میں عمر کی وفات کے موقع پر کہا کہ یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ام الولد بیچنے سے منع کیا، یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کو نماز تراویح کے طور پر ایک امام پر جمع کیا۔ (الاستیعاب ۳:۱۱۴۵)

جب یہ فرض کیا گیا ہے کہ رسول اسلام نے جماعت کا حکم نہیں دیا بلکہ اسے عمر نے شروع کیا ہے لہٰذا کیا عمر کا شروع کرنا اس کے شرعی ہونے کی دلیل ہوگی یا اسے بدعت قرار دیا جائے گا اس لئے کہ دنیا کے کسی انسان یہاں تک کہ رسول اسلام کو اپنی طرف سے کسی طرح کی خبر کو شرعی قانون بنا دینے کا حق نہیں ہے بلکہ پیغمبر اسلام صرف احکام شریعت کو پہنچانے والے ہیں نہ کہ اسے بنانے والے تو جب رسول اسلام کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنی طرف سے قوانین شریعت کو وضع کریں تو رسول اکرم کے علاوہ کسی اور کو یہ اجازت کس طرح ہو سکتی ہے کیا یہ ممکن ہے کہ جو چیز رسول اسلام کے لئے جائز نہ ہو وہ کسی اور کے لئے جائز ہو جائے وحی الٰہی کے ذریعہ نبی اکرمؐ کو قوانین شریعت سے آگاہ کیا جاتا ہے اس لئے کہ وہ وحی الٰہی کا مرکز ہیں آپ کی وفات کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور شرعی قانون سازی کا راستہ بند ہو گیا اب امت کو صرف کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد کرنا ہے جو اسے شرعی قوانین وضع نہیں کرتا ہے اور جو یہ سمجھتا ہے کہ خداوند عالم کے علاوہ کسی اور کو قوانین شریعت وضع کرنے اور سنتیں قائم کرنے کا اختیار ہے اس کا مطلب یہ کہ وہ وحی کے سلسلہ کے منقطع ہونے کا قائل نہیں ہے ابن اثیر نے اپنی کتاب ''نہایہ'' میں کہا ہے اسی باب سے عمر کا قول ہے کہ نماز تراویح اچھی بدعت ہے اس لئے کہ یہ نیک کاموں میں سے تھی لہٰذا مدح و ثناء کے دائرہ میں آتی ہے اگر چہ وہ نبی اکرم کی سنت نہیں تھی اور آپ نے اسے امت کے لئے شرعی نہیں قرار دیا تھا بلکہ پیغمبر اسلامؐ راتوں میں پڑھتے تھے پھر آپ نے اس سے ترک کر دیا تھا اور اس کی پابندی نہیں کی تھی اور نہ ہی اسے جماعت کے ساتھ ادا کیا تھا اور نہ لوگوں کو جماعت سے پڑھنے کا حکم دیا تھا اور نہ ابوبکر کے زمانے میں اس نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کیا تھا بلکہ عمر نے اسے جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا تھا اور ان کے لئے اسے مستحب قرار دیا ہے اسی لئے عمر نے اسے بدعت کے نام سے یاد کیا جب کہ وہ حقیقت میں سنت تھی اس لئے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ میری سنت اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کی پابندی کرو اسی طرح آپ کا ارشاد ہے میرے لئے آنے والوں ابوبکر و عمر کی اقتدا کریں۔ (النھایہ ۱:۱۰۶۔۱۰۷، باب الباء من الدال)

شرعی قانون سازی صرف خدا سے مخصوص ہے:

یہ تمام بزرگوار اس اعتراف کے باوجود کہ نبی اکرمؐ نے اس نماز کو جماعت سے پڑھنے کا قانون نہیں بنایا بلکہ اس کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کی نسبت خلیفہ کے عمل کی طرف دی گئی ہے اس کا مطلب ہے کہ آپ کو شرعی قانون سازی کا حق تھا جب کہ یہ بات اجماع امت کے خلاف ہے اس لئے کہ کسی انسان کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ شریعت کی تکمیل کے بعد سب میں کسی طرح کی دخل اندازی کرے خدا

وندعالم کاارشادہے"الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا"(سورہ مائدہ:۳) آخر میں نے دین کوکامل کیا،نعمتوں کوتمام کیااورتمہارے دین اسلام سے راضی ہوگیا۔اس آیت پرتوجہ کی روشنی میں عمر کا کلام کتاب سنت کے خلاف ہےاس لئے کہ قانون سازی صرف خدا کے حق ہے جسے خدا نے کسی کے بھی حوالے نہیں کیا نبی اکرمؐ صرف اسے پہونچانے والے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ اضافہ بھی کریں گے اگر خلیفہ کوشریعت کی قانون سازی میں دخل اندازی کا حق ہوتا تو پھر باقی صحابہ کے پاس بھی حق ہونا چاہئے تھا جبکہ بعض صحابہ ان سے بھی زیادہ پڑھے لکھے تھے جیسے ابی ابن کعب یا وہ فرض سے آگاہ تھے جیسے زید بن ثابت یا ان سے بڑا عالم اوران سے بڑے قضاوت کرنے والے تھے،جیسے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اوراگرسب کو یہ اختیار ہوتا تو دین کے امورتباہ ہوجاتے اوراس کے معاملہ میں کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہوتا اوروہ غیرمعصوم افراد کے ہاتھوں کا کھلونا بن کررہ جاتا البتہ جن دونوں حدیثوں کا تذکرہ ان سے وابستگی کے بارے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگران کی سند صحیح بھی ہوتو ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان دونوں کوقانون سازی کا حق تھا بلکہ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کی اقتدا ضروری ہےاس لئے کہ وہ دودونوں سنت نبوی پر بھروسہ کرتے تھےان کا مطلب یہ ہرگزنہیں ہے کہ ان کوسنتوں کے قیام یا شرعی قوانین بنانے کا حق تھا۔

ہاں سیوطی کی روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جواس نے عمرابن عبدالعزیز کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ اس کا عقیدہ تھا کہ خنفی کو سنتوں کے قیام کا حق ہےاس نے بیان کیا کہ صاحب ابن خلیفہ کے یہاں کہا کہ میں نے عمرابن عبدالعزیز کودیکھا وہ خطبہ دے رہا تھا وہ اس وقت خلیفہ تھااس نے اپنے خطبہ میں کہا کہ آگاہ رہنا کہ جو کچھ رسول خدااوران کے دونوں اصحاب نے سنت کے طور پر چھوڑا ہے وہ دین ہے،ہم اس پرعمل کریں گے اوراسی پراکتفاء کریں گےاور جو کچھ ان کے علاوہ کسی اورکی سنت ہے اسے ہم چھوڑدیں گے اس حدیث کی حقیقت کوآپ محسوس کرسکتے ہیں۔(تاریخ الخلفاء:۲۴۱)

بہرحال خداوندعالم نے اپنے دین کی قانون سازی اوراس کی شریعت کا حق کسی کے حوالہ نہیں کیا اس لئے کہ وحی کے علاوہ کسی اورطریقہ پرراضی نہیں ہوااس سلسلہ میں شوکافی کا بیان ہے حق یہ ہے کہ صحابی کا قول حجت نہیں ہے خداوندعالم نے اس کے لئے کسی کوبھی نہیں بھیجا سوائے ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیؐ ہمارے لئے صرف ایک ہی رسول ہے اورتمام صحابہ اوران کے بعد آنے والے افراد یک طور پرمکلّف ہیں ان سب کوپیغمبر کی شریعت اور کتاب وسنت کا اتباع کرنا ہے جوشخص اس بات کا قائل ہو کہ خدا کے دین میں ان دونوں کی خبرحجت قائم ہوسکتی ہےاس نے دین میں ایسی بات کہہ دی ہے کہ جس کا کوئی ثبوت نہیں ہےاورشرعی طورپرایسی خبرکو ثابت کیا ہے جس کا خداوندعالم نے حکم نہیں دیا۔(ارشادالعقول:۳۶۱ دارالکتب العلمیہ)

ہاں قسطلانی نے ابن التین سے نقل کیا ہے کہ عمر نے اس سے پیغمبراسلامؐ کی تقریرخاموش (تائید) سے استنباط کیا تھا جس کی نبی اکرم نے اس وقت تائید کی جب ایک شخص نے ان کے ساتھ ان راتوں میں نماز پڑھی اگرچہ آپ نے انہیں ناسند کیا اس خوف سے کہیں یہ اس طرح کی نماز ان لوگوں پرفرض ہوجائے اس کے فرض ہوجانے کا خطرہ ختم ہوگیا اور پھر عمر کے وقت میں دوبارہ یہ امرواپس آگیا

۔آیت کے درمیان اختلاف پیدا نہ ہو اور اس بات پر اکتفاء ثابت ہے۔(فتح الباری ۴:۲۰۴)

نمازوں کے لئے تازگی اور نشاط کا پیش خیمہ تھا اس قول پر مندرجہ ذیل اعتراضات ہو سکتے ہیں۔

ا:۔جو وجہ انہوں نے اپنی گفتگو کے آخر میں ذکر کی ہے کہ الگ الگ ائمہ کے بجائے تمام لوگوں کو ایک امام پر متفق کر سکیں جب کہ اعتراض اس بات پر ہے کہ کیا ہو جماعت سے ہو سکتی ہے یا نہیں۔ چاہے امام ایک ہو یا بہت سے۔

۲:۔اس گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سے احکام کسی خاص منافع کی بنا پر حیات نبیؐ میں آپ کی سنت کے طور پر شرعی قانون نہیں قرار پائے تھے جسے فرض ہو جانے کا خطرہ ہو لیکن آپ کی وفات کے بعد امت کے کسی فرد کے لئے ان کا شرعی قانون بنا ممکن تھا اس کا مطلب ہے کہ کچھ خاص معیاروں کی بنا پر نبی اکرم کے بعد شرعی قانون سازی کا راستہ امت کے سامنے قیامت تک کھلا ہوا ہے یہ ایسی عظیم مصیبت ہے جس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں یہ دین کے ساتھ کھلواڑ اور اس کے بربادی کا راستہ کھولنا ہے۔

بدعت کے نام سے نجات کے لئے بہانے:

ان تمام باتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تراویح بدعت ہوتی ہے اور یہ عنوان اس پر پوری طرح صادق آتا ہے خاص طور پر عمر ابن خطاب کے قول کے بعد کہ میرا خیال ہے کہ اگر یہ سب ایک امام پر جمع ہو جائیں تو بہتر ہوگا اور یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔(صحیح بخاری ۲:۲۵۲؛ الموطاء:۳:۷۳؛ کنز العمال ۸:۴۰۸ ح ۲۳۴۶۶)

اگر ان کے اس قول کے باوجود یہ عمل بدعت نہ ہو جب کہ انہوں نے خود کہا ہے میرا خیال ہے۔اور واضح طور پر کہا ہے کہ یہ کتنی اچھی بدعت ہے اگر یہ اب بھی بدعت نہیں ہے تو بدعت کسے کہیں گے اور اگر الاستیعاب میں ابن عبدالبر تاریخ الخلفاء میں سیوطی، روضۃ المناظر میں محمد ابن شحنہ کے قول کے مطابق سب سے پہلے تراویح کی بنیاد ڈالنے والے عمر نہیں تھے جیسا کہ ابھی ابھی بیان ہو چکا ہے تو پھر اس بدعت کا وجود کون ہے یہیں سے ہم دیکھتے ہیں کہ تراویح سے بدعت کا عنوان ختم کرنے کے لئے کتنی کوششیں کی اور اسے سنت قرار دینے کیلئے کتنی تدبیریں کی گئی ہیں اور عمر کا یہ قول کہ یہ اچھی بدعت ہے خود اپنے قول کا ظہور کے خلاف ہے ہم یہاں پر ان کوششوں کا تذکرہ کریں گے۔

ا:۔ابن ابی الحدید معتزلی کی کوشش: انہوں نے بیان کیا ہے کہ بدعت کے دو معنیٰ ہوتے ہیں:

ا:۔جو کتاب اور سنت کے خلاف ہو جیسے قرآن کے دین کا اور ایام تشریق کا روزہ یہ اگر چہ روزہ ہے لیکن اس سے منع کیا گیا ہے

۔

۲:۔وہ جس کے بارے میں نص نہ وارد ہوئی ہو بلکہ اس کے بارے میں سکوت سے کام لیا گیا ہو جسے رسول اسلامؐ کے وفات کے بعد مسلمانوں کا عمل اگر نماز تراویح سے معنی کے اعتبار سے بدعت ہو تو تقسیم کی روشنی میں ہم اسے بدعت نہیں تسلیم کریں گے اور عمر کا یہ قول یہ بدعت ہے مروی اور مشہور روایت ہے لیکن اس سے مراد دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے بدعت ہے کاش ان کے یہ کلام پر اعتراض وارد ہوتا اور وہ اپنے اعتقاد کو ظاہر نہ کرتے۔(شرح النہج ۱۲:۲۸۴)

تو پہلا معنیٰ بدعت نہیں ہیں کتاب اور سنت کی مخالفت کو بدعت نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ اس کے نص کے مقابلہ میں اجتہاد کیا جا سکتا ہے لہٰذا بدعت یعنی اس کے دوسرے معنیٰ جنہیں انہوں نے پیش کیا ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ عمر کے کلام کو بدعت کے اس دوسرے معنی پر حمل کیا جائے اس لئے بدعت اسے کہتے ہیں کہ جو بغیر سابقہ مثال ہو اور تراویح اسی طرح ہے یعنی اسکی کوئی سابقہ مثال نہیں ہے بدعت اسے نہیں کہتے جو گذشتہ مثال کے خلاف انجام دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ بدعت اسے کہتے ہیں کہ جو کتاب اور سنت کے خلاف ہو اسکے بعد آگے صفحہ پر انہوں نے کہا ہے کہ کیا انسان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی جانب سے مخصوص نوافل ایجاد کرے جن کا اپنے مخصوص طریقہ پر ہو اور مخصوص اعداد اور رکعت ہوں یہ نہ مکروہ ہے نہ حرام بلکہ یہ اس حکم کے ماتحت درج ہوگا جو نوافل کے بارے میں وارد ہوا ہے تراویح جائز اور سنت ہے اس لئے کہ یہ اس حکم عام کے ماتحت درج ہے جو جماعت کی فضیلت کے سلسلے میں وارد ہوا ہے میں تبھی سمجھ پایا کہ اس کی یہ گفتگو بس مذہب کے مطابق صحیح ہوگی اور مسلمانوں کے درمیان مشہور یہ ہے کہ واجبی اور مستحبی عبادتیں توفیقی ہیں اور عبادت کا مفہوم شریعت کی طرف سے وارد ہونے والے امر پر موقوف ہے اگر شریعت کی طرف واجب یا مستحب کے طور پر حکم آئے تو یہ واجب یا مستحب عبادت ہوگی۔ ورنہ عبادت نہیں ہوگی امر شرعی کا اصل عبادت اور اس کے شکل اور حیثیت کی تعین میں دخل ہوتا ہے لہٰذا جس طرح انسان کو اصل عبادت کی تشریح اور قانون سازی کا حق نہیں ہے اسی طرح کسی بھی عبادت کے شکل وجوب کے تعین کرنے کا حق نہیں ہے۔ ابن ابی الحدید کا خیال شاید یہ ہے کہ نافلہ کی امر اور جماعت کی فضیلت کا بیان بندہ کی جانب سے کسی خاص شکل وصورت کے ساتھ کسی عبادت کو شرعی قرار دینے کی وجہ قرار پا جائے جبکہ ایسا نہیں ہے نافلہ اور جماعت کی فضیلت میں وارد ہونے والی روایات ان مخصوص عبادتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے جو صاحبان شریعت کی جانب سے صادر ہوتی ہیں اور انہیں اس طرح بجالانے کا مطالبہ کرتی ہیں جس طرح انہیں رسول خدا بجالاتے اور سنت کے طور پر اسے چھوڑ کر گئے۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی عبادتوں کے توفیقی ہونے کے بارے میں کہا ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا بندوں کی جانب سے قول وعمل کے ذریعہ کسی طرح کے تعریف اور دخل اندازی کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں:

ا:۔ وہ عادتین جو دین کی اصلاح کریں۔

۲:۔ وہ عادتیں جن کی ضرورت دنیا کے لئے ہوں اصول شرعی کی جستجو اور اس کے استقراء سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں جن عبادتوں کو خداوند عالم نے واجب قرار دیا ہے اور جنہیں وہ پسند کرتا ہے ان کا حکم صرف شریعت کی رو سے ثابت ہوتا ہے۔

جو عادتیں ہوتی ہیں ان کے لوگ اپنی دنیا کے عادی ہوتے ہیں اور دنیا کے لئے ان کی ضرورت پڑتی ہے ان میں اصل مخالف ہے اور خداوند عالم کی طرف سے کوئی چیز منع نہیں ہوتی جب تک وہ خود اس چیز سے منع نہ کرے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ امر ونہی صرف اس کی جانب سے ہوں تو شرعی حیثیت رکھتے ہیں اور عبادت بھی اس کے حکم سے ہی عبادت قرار پاتی ہے لہٰذا جس چیز کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ اس کا امر کیا ہے اسے کیسے منع اور حرام قرار دیا جاسکتا ہے اسی لئے فقہاء اہل حدیث میں احمد وغیرہ کہتے ہیں کہ عبادت میں اصل توقیف یعنی اذن شارع ہے اور اس میں کسی بھی عبادت کو شرعی حیثیت اس وقت تک

حاصل نہیں ہوسکتی جب تک خود خدا اس کو شرعی نہ بنائے ورنہ تو کسی اور کی شریعت سازی کے قائل ہو گئے تو تو خداوند عالم کے اس قول کا مصداق قرار پائے گا''ام لھم شر کائو اشر عوا لھم من الدین ما لم یاذن بہ اللہ''(الشوری:۲۱)(الحلال والحرام فی الاسلام:۳۶)
ابو یوسف محمد نے کہا ہے شب میں دو رکعت کا ایک سلام کے ساتھ کے ساتھ اضافہ کیا جاتا ہے۔(اللباب فی شرح الکتاب لعبد الفتی الحنفی۱:۹۱۔۹۲(الفقہ الاسلامی وادلہ) ڈاکٹر زحیلی ۲:۵۰)

مہذب میں کہا ہے اور سنت یہ ہے کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پڑھا جائے اس لئے کہ ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی اکرم نے فرمایا ہے نماز شب دو رکعت ہے جب تمہیں محسوس ہو کہ صبح ہونے لگی ہے تو ایک رکعت پر ختم کرو لہذا گئی رکعتوں کو ایک سلام کے ساتھ جمع کرنا جائز ہے اس لئے کہ عائشہ سے روایت ہے کہ پیغمبر اسلام تیرہ رکعت نماز ادا فرماتے تھے ان میں سے پانچ کو ایک ساتھ پڑھتے تھے اور آخر میں بیٹھ کر سلام پڑھتے تھے اسی طرح آپ سات رکعت یا پانچ رکعت بغیر سلام کے پڑھتے تھے اور اگر ایک رکعت کو مستحب سمجھ کر پڑھتے تو جائز ہے جیسا کہ ابن عمر کے بارے میں رایت ہے کہ وہ مسجد میں آئے ایک رکعت نماز ادا کی ایک شخص نے ان کی پیروی کی اور عرض کیا کہ میں نے ایک رکعت پڑھی یہ مستحبی نماز ہے جو چاہے اس میں اضافہ کرے اور جو چاہے کم کر دے اس کے بعد نووی نے اضافہ کیا ہے ہمارے علماء کا نظریہ ہے کہ ہمارے نزدیک جائز ہے کہ بہت سی رکعتوں کو ایک سلام پر جمع کر دے اور دن کی رکعت کی نمازوں میں بہتر ہے کہ ہر دو رکعت پر نماز پڑھے یہی مالک، دوؤد، احمد، ابن منذر کا قول ہے حسن بصری اور سعید ابن جبیر سے روایت کی ہے ابو حنیفہ نے کہا دن کی نمازیں دو رکعت یا چار رکعتوں کے بعد سلام پڑھا جائے دونوں کی فضیلت برابر ہے اور اس سے زیادہ نہ کیا جائے نماز شب دو، چار، چھ، آٹھ رکعتیں ہوتی ہیں ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعتوں سے زیادہ نہ کرے ابن عمر دن میں چار رکعت نماز ادا کرتے تھے اسی کو اسحق نے اختیار کیا ہے(المجمع من شرح المھذب ۴:۴۹۔۵۱)ان تمام آرا اقوال کے بعد سلام کس طرح کیا جاسکتا ہے کہ کسی نے بھی رکعتوں کے حرام یا بدعت ہونے کی بات نہیں کہ ہے جیسا کہ معتزلی نے اسے یقین کے ساتھ ساتھ نقل کیا ہے۔

شیخ یوسف بحرانی نے حدایق الناضرہمیں تحریر کیا ہے کہ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ نماز ذاتی طور پر خیر اور نیکی کی صورت میں وضع ہوئی ہے لیکن اگر مکلّف شریعت میں ذکر شدہ حدود سے تجاوز کرے اور اس سے کم یا زیادہ کا عقیدہ رکھے یا ادلہ شرعی ذکر شدہ اس کے خاص زمانے میں دخل اندازی کرے تو اس کا یہ عمل راب اور اس کی عبادت بدعت شمار ہوگی اس کا بدعت ہونا خود نماز کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس خاص طریقہ سے ہے جس کا اس شخص نے اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے اور جو وقت، طریقہ یا عدد کے اعتبار سے شرعی دلیل کے مطابق نہیں ہے۔(الحدائق الناظر۶:۸۰)

دوسری کوشش جو عمر کے قول میں کلمہ بدعت سے جان چھوڑانے کے لئے کی گئی ہے وہ ابن عبد الجبار معتزلی کی جانب سے ہے جوانہوں اپنی کتاب المغنی میں کی ہے وہ نماز تراویح کے بارے میں لکھتے ہیں۔

کہ نماز تراویح نماز کی طرف دعوت اور قرآن پڑھنے کی ترغیب ہے تو بھلا اس کے سنت کے طور پر انجام پانے کی مخالفت کون کر سکتا ہے۔(نقلہ عنہ الشریف الرتضی فی الشافی فی الامامہ ۴:۲۱۷)ان کی یہ گفتگو حقیقت میں ابن ابی حدید معتزلی کی گفتگو کی طرف پلٹتی ہے

لہٰذاان کا جواب بھی وہی ہوگا جوابن حدید کا جواب تھا نماز عبادت ہے عبادت کے لئے قصد قربت چاہئے اور قصد قربت بغیر شارع کی طرف سے موجود امر مولوی کے نہیں ہوسکتا اور نماز تراویح اس موجودہ شکل وطریقہ کے ساتھ کوئی امر موجود نہیں ہے لہٰذا اس کو شرعی اور قانونی عبادت قرار دینا بدعت وحرام اور دین میں ناپسند چیز کو داخل کرنا ہے۔

۳:۔ابن تیمیہ کی کوشش جس نے عمر کی زبان سے اس نماز کے لئے بدعت کے لفظ کا استعمال صرف لغوی معنی میں استعمال قرار دیا ہے شرعی معنی میں نہیں اس کا کہنا ہے کہ مومنین رسول اسلام کے زمانہ میں نماز تراویح پڑھتے تھے اور نبی اکرم بھی ان کے ساتھ ایک یا دو رکعت نماز کے لئے گئے پھر ایک وجہ سے اس کو چھوڑ دیا جن کو انہوں نے خود اس طرح ذکر کیا ہے کہ میں تمہارے ساتھ نماز کے لئے صرف اس وجہ سے نہیں آتا کہ کہیں یہ نماز تمہارے اوپر فرض نہ ہو جائے لہٰذا تم یہ نماز اپنے گھر میں پڑھ لیا کرو۔(اقتضا الصراط المستقیم :۲۷۶۔۲۷۷)

ابن تیمیہ کی اس گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے لئے مسجد جانے کا مقتضی ازواج موجود تھی یعنی اگر نبی اکرم کو نماز تراویح فرض ہو جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو وہ نماز کے لئے تشریف لاتے جب عمر کے دور میں ایک قاری پر اتفاق ہوا اور مسجد میں روشنی ہوئی نماز تراویح نے موجودہ شکل تیار کر لی اور مسجد میں ایک نماز پر متفق ہو گئے جس سے مسجد میں عملی طور پر روشنی ہوگئی چونکہ یہ عمل پہلے نہیں انجام پایا تھا لہٰذا اسے بدعت کہا جانے لگا اگر یہ شرعی بدعت نہیں ہے۔

اس گفتگو کے بعد ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے لئے اہم نہیں ہے کہ شرعی بدعت ہے یا لغوی ہمارے لئے اہم یہ ہے کہ عمر نے شریعت میں ایک ایسی چیز کو اضافہ کیا جس سے لوگ اس سے پہلے ناواقف تھے ابن تیمیہ کی عبارت کے مطابق انہوں نے جس چیز کا اضافہ کیا وہ مسجد میں روشنی کے ساتھ ایک امام پر جمع کرنا تھا مسجد میں روشنی اور چراغ ہمارے لئے اہم نہیں ہے اس لئے کہ اس کا عبادت سے کوئی تعلق نہیں ہے اصل ایک قاری اور ایک امام کے پیچھے امت کو جمع کرنا ہے شاید ابن تیمیہ میں مسجد میں روشنی اور چراغ کا تذکرہ قارئین کو شبہ میں ڈالنے کے لئے کیا ہے تا کہ خلیفہ کا عمل اصل عبادت میں دخل اندازی شمار کیا جائے اور مسجد میں ایک امام پر سب کو جمع کرنے کے عمل کی حیثیت اور شان گویا مسجد میں چراغ جلانے والے اور وہاں روشنی کرنے کی حیثیت کے برابر ہے جس طرح مسجد میں چراغ جلانا بدعت نہیں ہے اس لئے کہ عبادت میں دخل اندازی نہیں ہے اسی طرح نماز تراویح کا جماعت سے پڑھا جانا بھی بدعت نہیں ہوگا لہٰذا ان کی گفتگو کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عمر نے شریعت میں کوئی بدعت رائج نہیں کی بلکہ انہوں نے عبادت سے سب کے کچھ نئے کام کے جیسے مسجد میں چراغ کا انتظام کرنا وہم میں ڈالنا اور فریب ہے گذشتہ کوشش کے جواب سے واضح ہوگیا کہ نماز کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا خود عبادت کا جز ہے اور بندوں کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس سلسلہ میں شارع کے امر کا اتباع کرے یہ خلاف مسجد میں چراغ جلانے کے کہ وہ عبادت سے باہر ہے۔

اس کے علاوہ ان کا یہ دعویٰ کہ خود پیغمبر اسلام ایک رات یا دو رات نماز تراویح کے لئے مسجد گئے پھر یہ سلسلہ منقطع ہوگیا اس کا صحیح نہ ہونا ہماری گذشتہ بحث سے ثابت ہو چکا ہے یہ خود عمر کے قول سے دکھتا ہے جس میں انہوں نے کہا کہ یہ کتنی اچھی بدعت ہے ان کی یہ

گفتگواس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس سے پہلے نماز تراویح نہیں تھی کسی عمل کو چھوڑ کر دوبارہ انجام دینا بدعت نہیں کہا جاتا۔

۴:۔بدعت کو احکام خمسہ پر تقسیم کرنے کی کوشش یہ کوشش ان تمام کوششوں میں سب سے بدتر اور نا کام کوشش ہے جو اس سلسلہ میں کئی ہیں اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اسی نظریہ کے حامیوں کو اس نظریہ کی بنا پر کس طرح کی حیرانی اور سرگردانی کا سامنا ہے اوان کی کوشش دین اور روح شریعت سے بالکل الگ ہے وہ کہتے ہیں بدعت پانچ طرح کی ہوتی ہے:

۱:۔ بدعت حرام

۲:۔ بدعت مکروہ

۳:۔ بدعت مباح

۴:۔ بدعت واجب

۵:۔ بدعت مستحب

(فتح الباری بشرح صحیح بخاری ۱۳:۲۵۳،۹۶ کتاب اعتصام باب کتاب وسنت الاقتدا بسن النبیؐ: ذیل الحدیث ۷۲۷۷ جامع الاصول فی احادیث الرسولؐ ابن اثیر ا:۲۸۰، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنّت الباب الاول فی الاستمساک بھما، ذیل الحدیث:۶۷)

اس توجہ کا سب سے مختصر اور بہترین جواب یہ ہے کہ بدعت کا صرف ایک معنی ہیں بدعت یعنی دین میں ایسی چیز داخل کرنا جو دین نہ ہو یہ شیعوں اور سنیوں کے تمام علماء ان معنیٰ پر متفق ہیں بدعت کے ان معنی کو نہ احکام خمسہ پر تقسیم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی حسن وقبح میں۔

ہاں اگر بدعت کے کئی الگ الگ معنی ہوتے تو اس میں تقسیم کا تصور کرنا ممکن ہوتا لیکن کتاب وسنت میں بدعت کے جو معنی ذکر کئے گئے ہیں اور پیغمبر اسلام نے جن سے منع کیا ہے اور جن کے انجام دینے والوں کے سخت عذاب کا تذکرہ کیا ہے اس کے علاوہ بدعت کے کوئی اور معنی نہیں ہیں۔

کاش وہ لوگ جنہوں نے پانچ یا دو قسموں پر تقسیم کیا ہے اپنی تقسیم بندی کے صحیح ہونے کے حق میں قرآن کی ایک آیت یا پیغمبر اسلام کی ایک حدیث ذکر کرتے۔لیکن وہ لوگ ایسا نہیں کر سکتے اس لئے کہ کتاب وسنت سے اس طرح کی تقسیم تائید نہیں ہوتی ہے۔

ہمارے اس بات کی دلیل یہ ہے کہ تقسیم عقلی اعتبار سے محال ہے جس طرح ظلم کو اچھے اور برے ظلم میں تقسیم کرنا محال ہے اسی طرح بدعت کو بھی اچھی اور بری بدعت میں تقسیم بندی کرنا محال ہے اس لئے کہ ایک صحیح میں بدعت یعنی خدا ورسول پر بہتان باندھنا اور جو شریعت میں نہ ہو اسے شریعت میں داخل کرنا ہے مذمت اور برائی کے درمیان تلازم پایا جاتا ہے یہ کسی بھی طرح قابل مذمت ہونے سے الگ نہیں ہو سکتے اس تقسیم کی بنیاد یہ ہے کہ آپ کا خراب اور اچھی بدعت کا قائل ہونا یہ تقسیم اس کے لغوی معنی یعنی جدت سے لئے گئے ہیں اور واضح ہے کہ جدت اچھی اور بری دونوں طرح کی ہو سکتی ہے ہماری ساری گفتگو شرعی بدعت کے بارے میں ہے۔

لٰہذا بدعت کو تقسیم کرنے والے ایک بہت بڑے مغالطہ کا شکار ہیں اس لئے کہ وہ پہلے بدعت کے شرعی معنی کے بارے میں بات

کرتے ہیں اور پھراس کے قابل تقسیم ہونے کے بارے میں بات کرتے ہیں اور یہ تقسیم صرف لغوی معنی کے اعتبار ہوتی ہے۔

خلاصہ:

نماز تراویح کی کوئی شرعی بنیادنہیں ہے کتاب وسنت میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے تاکید کے ساتھ بیان کیا ہے کہ نماز تراویح بدعت ہے شارع کے حکم نے اس کی شرعی اجازت نہیں دی ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام نے ابوبکر وعمر کے دور خلافت میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں تھا یہ بدعت عمر ابن خطاب کے دور میں ان کے حکم سے شروع ہوئی اور اس نماز تراویح سے بدعت کا عنوان ہٹانے کے لئے جتنی بھی کوششیں ہوئیں ہیں وہ بے کار ثابت ہوئی ہیں اور ان سے کوئی نتیجہ نہیں ہے۔